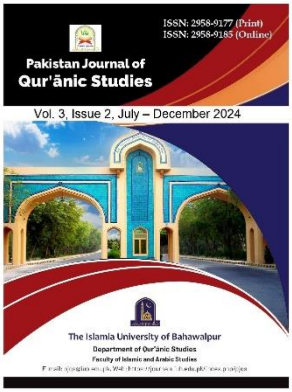

Pakistan Journal of Qur'ānic Studies

ISSN Print: 2958-9177, ISSN Online: 2958-9185
Vol. 3, Issue 2, July – December 2024, Page no. 273 – 303
HEC: https://hjrs.hec.gov.pk/index.php?r=site%2Fresult&id=1089226#journal_result
Journal homepage: https://journals.iub.edu.pk/index.php/pjqs
Issue: https://journals.iub.edu.pk/index.php/pjqs/issue/view/206
Link: https://journals.iub.edu.pk/index.php/pjqs/article/view/3670
DOI: https://doi.org/10.52461/pjqs.v3i2.3670
Publisher: Department of Qur'ānic Studies, The Islamia University of Bahawalpur, Pakistan

Title **An Analytical Study of Modern Democratic System in the Light of Traditional Islamic Thought**

Author (s): **Saira Jabeen Malik**
PhD Scholar, Department of Islamic Studies, Alhamd Islamic University, Islamabad Campus. saira478@gmail.com

Dr. Saleem Raza
Associate Professor, Deptt. of Islamic Studies, Alhamd Islamic University, Islamabad Campus. Saleemraza82@gmail.com

Received on: 08 December, 2024
Accepted on: 15 December, 2024
Published on: 30 December, 2024

Citation: Saira Jabeen Malik, and Dr. Saleem Raza. 2024. "An Analytical Study of Modern Democratic System in the Light of Traditional Islamic Thought". Pakistan Journal of Qur'ānic Studies 3 (2):273-303. https://doi.org/10.52461/pjqs.v3i2.3670.

Publisher: The Islamia University of Bahawalpur, Pakistan.

All Rights Reserved © 2024 This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License

جدید جمہوری نظام کا روایتی اسلامی فکر کی روشنی میں جائزہ

An analytical study of modern democratic system in the light of traditional Islamic thought

Saira Jabeen Malik
PhD Scholar, Department of Islamic Studies, Alhamd Islamic University, Islamabad Campus. saira478@gmail.com

Dr. Saleem Raza
Associate Professor, Department of Islamic Studies, Alhamd Islamic University, Islamabad Campus. Saleemraza82@gmail.com

Abstract:

This article analyzes the key characteristics of modern democracy and traditional Islamic thought, focusing on their points of harmony and divergence. The topic has been chosen in light of the increasing global significance of modern democratic systems and the prevailing perception among proponents of democracy that Islamic governance is undemocratic and autocratic. They argue that Islam's governance system does not adequately address fundamental human rights and personal freedoms. This article seeks to challenge this notion by using references from the Qur'an and Sunnah to demonstrate that Islam provides a comprehensive way of life, replete with principles of fundamental human rights, personal freedom, justice, equality, and fairness. It argues that the Islamic system is not inferior to modern democracy; rather, it surpasses it in aspects such as accountability and transparency, which are unparalleled in other systems.

Moreover, Islamic governance promotes universal brotherhood, peace, and harmony, serving as a model for an inclusive and equitable society. In contrast, the modern democratic system often lacks universal applicability, as its implementation is contingent upon specific prerequisites tailored to regional social needs. On the other hand, the

Islamic democratic system provides uniform and equitable laws that transcend geographical and religious boundaries, ensuring justice and equality for all.

Keywords: *Modern Democracy, Islamic Governance, Human Rights, Personal Freedom, Justice and Equality, Accountability and Transparency, Universal Brotherhood, Qur'an and Sunnah.*

Article Link: https://journals.iub.edu.pk/index.php/pjqs/article/view/3670

جمہوریت کی لغوی تعریف:

جمہوریت، لغوی طور پر "عوام کی حکمرانی"۔ یہ اصطلاح یونانی لفظ dēmokratia سے ماخوذ ہے، جو پانچویں صدی قبل مسیح کے وسط میں dēmos (عوام) اور kratos (حکومت یا طاقت) کے امتزاج سے وضع کی گئی تھی۔ اس کا اطلاق ان سیاسی نظاموں پر ہوتا تھا جو اس وقت یونان کی چند شہری ریاستوں، خصوصاً ایتھنز، میں موجود تھے۔ [1]

جمہوریت کی اصطلاحی تعریف:

جمہوریت (قدیم یونانی δημοκρατία :، رومی انداز: dēmokratía ، dēmos یعنی 'عوام' اور kratos یعنی 'حکومت') ایک ایسا نظام حکومت ہے جس میں ریاست کی طاقت عوام یا ریاست کی عام آبادی کے پاس ہوتی ہے۔ ایک مختصر تعریف کے مطابق جمہوریت میں حکمرانوں کا انتخاب مسابقتی انتخابات کے ذریعے کیا جاتا ہے، جبکہ وسیع تعریف کے مطابق جمہوریت کو مسابقتی انتخابات کے ساتھ ساتھ شہری آزادیوں اور انسانی حقوق کی ضمانتوں سے بھی جوڑا جاتا ہے۔ [2]

جمہوریت کا مطلب ہے کہ عوام کو مکمل آزادی حاصل ہے کہ وہ تمام معاملات میں قانون سازی کریں، اور اس قانون سازی کا انحصار ان کے منتخب نمائندوں کے اکثریتی فیصلے پر ہوتا ہے۔ جمہوری نظام میں عوام کی مرضی کو بالادستی حاصل ہوتی ہے، اور یہ کسی بیرونی اصول یا ضابطے کی پابند نہیں ہوتی۔ عوام کی مرضی کو کسی اور طاقت کے سامنے جواب دہ نہیں سمجھا جاتا۔ جمہوریت کا یہ تصور واضح کرتا ہے کہ حکومتی اختیارات اور قانون سازی کا منبع عوام ہیں۔ عوام کی اکثریتی رائے ہی قانون کا درجہ رکھتی ہے، چاہے وہ دین یا اخلاقی اصولوں سے متصادم ہو۔

ابراہیم لنکن کے نزدیک جمہوریت کی تعریف:

جس طرح میں غلام نہیں بننا چاہتا، اسی طرح میں آقا بھی نہیں بننا چاہتا۔ یہ جمہوریت کے بارے میں میرے خیال کا اظہار ہے۔ جو کچھ بھی اس سے مختلف ہے، اس فرق کی حد تک، وہ جمہوریت نہیں ہے۔

ابراہم لنکن نے جمہوریت کی جو تعریف کی ہے اس کا جائزہ یوں لیا جاسکتا ہے۔ عوام کی حکومت، عوام کے لیے حکومت اور عوام کے ذریعے حکومت۔ یہ تینوں عناصر جدید جمہوریت کی بنیاد تصور کیے جاتے ہیں اور آج کی جمہوریت کی عمارت انہی بنیادی عناصر پر قائم ہے۔

1۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، 2003
https://www.britannica.com/topic/democracy

2۔ علوی، ڈاکٹر مستفیض احمد، مغربی جمہوریت حقیقت اور سراب، ادارۂ نور سحر، لاہور، 2003ء، ص: 11

جمہوریت کے ان بنیادی عناصر کے تحت جو طرز حکومت وجود میں آتا ہے اس کو موجودہ دور کی جمہوریت کی عملی شکل تصور کیا جاتا ہے۔[3]

ابراہام لنکن کی جمہوریت کی تعریف، مذکورہ اقتباس میں بیان کردہ، برابری کے بنیادی اصول اور غلامی و آقائیت کے انکار پر مرکوز ہے۔ وہ بنیادی طور پر یہ بیان کرتے ہیں کہ حقیقی جمہوریت صرف وہاں موجود ہوتی ہے جہاں نہ غلامی ہو اور نہ ہی آقائیت۔ ان کے گیٹسبرگ خطاب کا اقتباس جمہوریت کے تحفظ کو "آزادی کی نئی پیدائش" سے جوڑتا ہے، جس کا مطلب ہے کہ خانہ جنگی جمہوری نظریات کے مکمل ادراک، خاص طور پر آزادی اور مساوات، کے حصول کی جدوجہد تھی۔ ان کا دوسرا اقتباس براہ راست جمہوریت کو غلامی کے متضاد کے طور پر پیش کرتا ہے، اس بات کا اشارہ دیتے ہوئے کہ غلامی کا وجود جمہوریت کے اصولوں کو بنیادی طور پر ختم کر دیتا ہے۔ مختصراً، لنکن کا نظریہ جمہوریت کو انفرادی آزادی اور جابرانہ طاقت کے فقدان سے گہری وابستگی میں دیکھتا ہے۔

جدید جمہوری نظام کا مطالعہ:

جدید جمہوری نظام دور حاضر میں ایک اہم اور کامیاب نظام سمجھا جاتا ہے جس کے اپنانے سے عوامی رائے دہی کے مطابق ان کے منتخب نمائندوں پر مشتمل ایک خاص طرز حکمرانی قائم کیا جاتا ہے جس کی بنیادی خوبیوں میں انسانی حقوق کا تحفظ اور آزادی رائے ہے۔ اس نظام کے تحت ہر شخص بلا تفریق اپنے حقوق و فرائض کے لیے آواز اٹھا سکتا ہے۔

قرونِ وسطیٰ میں بہت سے نظام موجود تھے، اگرچہ اس وقت صرف چند لوگ ہی ان میں شامل ہو سکتے تھے۔ انگلینڈ کی پارلیمنٹ کا آغاز میگنا کارٹا سے ہوا، جو ایک ایسا دستاویز تھا جس میں کہا گیا تھا کہ بادشاہ کی طاقت محدود ہے، اور اس نے لوگوں کے کچھ حقوق کا تحفظ کیا۔ پہلی منتخب پارلیمنٹ 1265 میں انگلینڈ میں ڈی مونٹفورٹ کی پارلیمنٹ تھی۔ تاہم، صرف چند لوگ ہی دراصل اس میں شامل ہو سکتے تھے۔ پارلیمنٹ کا انتخاب صرف چند فیصد لوگ ہی کرتے تھے. 1780 میں، 3٪ سے بھی کم لوگ شامل ہوئے تھے۔ حکمران کے پاس پارلیمنٹ بلانے کی طاقت بھی تھی۔ ایک طویل عرصے کے بعد، پارلیمنٹ کی طاقت بڑھنے لگی۔ 1688 میں شاندار انقلاب کے بعد، انگلش بل آف رائٹس 1689 نے پارلیمنٹ کو مزید طاقتور بنا دیا۔ بعد میں، بادشاہ یا ملکہ حقیقی طاقت رکھنے کے بجائے ایک علامت بن گئے۔[4]

3۔ حوالہ سابقہ، ص:21

4۔ انصاری، ڈاکٹر جاوید اکبر، مغربی تہذیب ایک معاصرانہ تجزیہ، شیخ زید اسلامک سنٹر، جامعہ پنجاب، لاہور، 2002ء، ص:83

اس جمہوری تصور میں عوام کے لیے آزادی اور مساوات کا بنیادی حق تسلیم کیا گیا جمہوریت اپنی منازل طے کرتی ہوئی جدید دور میں داخل ہوئی اور موجودہ دور کی بین الاقوامی سیاست میں اس بنیادی اصول کو تسلیم کیا گیا کہ سیاسی اور معاشی طور پر آزادی اور خود مختاری ہر قوم کا بنیادی اور فطری حق ہے۔ اس کے علاوہ وہ اپنی ثقافت اور مذہب کے لحاظ سے بھی نہ صرف آزاد ہے بلکہ اس کو مکمل طور پر اپنانے کا حق دار ہے۔

اگرچہ جمہوریت کا یہ سفر اکیسویں صدی میں داخل ہو چکا ہے تاہم یہ اپنی قبولیت کے حوالے سے کوئی خاطر خواہ مثال قائم نہیں کر سکا جمہوریت کی ترقی اور فروغ کے لیے کی جانے والی کوششیں کوئی مثالی نظام وضع کرنے میں کامیاب نہ ہو سکیں جدید جمہوری نظام یورپ، امریکہ اور دیگر اشیائی ممالک میں اپنی مختلف اشکال میں موجود ہے جس میں بہت سارے عناصر ایک دوسرے سے مماثلت نہیں رکھتے اس کے باوجود جدید جمہوری نظام اس وقت دنیا میں ترقی خوشحالی اور انسانی حقوق کا ضامن سمجھا جاتا ہے۔

حق نمائندگی:

نمائندہ جمہوریت طرزِ حکمرانی کی ایک شکل ہے جس میں لوگ اپنے منتخب نمائندوں کے ذریعے سیاسی فیصلے کرنے کے اپنے حق کا استعمال کرتے ہیں۔ اس طرح، لوگ اپنے نمائندوں کو نمائندہ اداروں کے لیے منتخب کرتے ہیں۔ نمائندہ جمہوریت کا اصل جوہر اس حقیقت میں مضمر ہے کہ عوام کی مرضی ان نمائندہ اداروں کے ذریعے پوری ہوتی ہے جو براہ راست خود شہریوں کے ذریعے منتخب ہوتے ہیں۔ اعلیٰ ترین ریاستی ادارہ، جو عوام کے ذریعے منتخب ہوتا ہے، عوام کے سامنے جوابدہ ہوتا ہے اور مؤخر الذکر کے مفادات کے مطابق عمل کرنے کا پابند ہوتا ہے۔ اگرچہ رائے دہندہ کا اپنے نمائندوں سے برائے راست رابطہ نہیں ہوتا تاہم ان کا یہ حق محفوظ ہوتا ہے کہ جب کوئی بھی حکومت اپنا وقت مکمل کرلے گی تو یہی نمائندے دوبارہ ان کے سامنے موجود ہوں گے اور انھیں ان کی اچھی کارکردگی کی بناپر دوبارہ منتخب کیا جاسکتا ہے یاان کی بری کارکردگی اور عوامی امنگوں کے خلاف قانون سازی کرنے پر انھیں مسترد کیا جاسکتا ہے کیونکہ عوامی نمائندے ہی برائے راست حکومت چلاتے ہیں اور عوامی زندگی میں بہتری اور ترقی لانے کے ذمے دار ہوتے ہیں۔ (5)

سیاسی جماعتیں:

نمائندہ جمہوریت ایک ایسی طرزِ حکومت ہے جس میں عوام براہ راست حکومت نہیں کرتے بلکہ اپنے منتخب کردہ نمائندوں کے ذریعے کرتے ہیں۔ یہ نمائندے عوام کے ووٹوں سے منتخب ہوتے ہیں اور ان کے نام پر فیصلے کرتے ہیں۔

5۔ اشرف، حافظ محمد، اسلام اور بنیادی انسانی حقوق، پنجاب یونیورسٹی پریس، لاہور، 2013ء، ص: 179

سیاسی جماعتیں نمائندہ جمہوریت میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ وہ امیدواروں کو نامزد کرتی ہیں، انتخابی مہمات چلاتی ہیں اور عوام کو اپنی پالیسیوں سے آگاہ کرتی ہیں۔ اکثر ممالک میں، ووٹر سیاسی جماعتوں کو ووٹ دیتے ہیں یا ان سے وابستہ امیدواروں کو۔

کچھ سیاسی مفکرین نے نمائندہ جمہوریت کو کثیر جماعتی نظام حکومت کے طور پر بیان کیا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ اقتدار صرف ایک شخص یا گروہ کے پاس نہیں ہوتا، بلکہ مختلف سیاسی جماعتوں اور گروہوں کے درمیان تقسیم ہوتا ہے۔

کثیر جماعتی نظام حکومت کے کئی فوائد ہیں۔ یہ اقتدار کے ارتکاز کو روکتا ہے، مختلف نظریات کو سامنے لاتا ہے اور عوام کو سیاسی عمل میں شرکت کرنے کا موقع فراہم کرتا ہے۔ تاہم، کثیر جماعتی نظام حکومت کے کچھ نقصانات بھی ہیں۔ یہ حکومت کو کمزور کر سکتا ہے، فیصلہ سازی کو سست کر سکتا ہے اور سیاسی عدم استحکام کا باعث بن سکتا ہے۔

مختصراً، نمائندہ جمہوریت ایک ایسی طرزِ حکومت ہے جس میں عوام اپنے منتخب کردہ نمائندوں کے ذریعے حکومت کرتے ہیں۔ سیاسی جماعتیں اس نظام میں اہم کردار ادا کرتی ہیں اور کچھ مفکرین نے اسے کثیر حاکمی کے طور پر بیان کیا ہے۔ کثیر حاکمی کے فوائد اور نقصانات دونوں ہیں۔ [6]

اظہار رائے کی آزادی:

اظہار رائے کی آزادی ایک بنیادی حق ہے جو جمہوریت کے لیے ضروری ہے۔ اس میں بولنے، خیالات کا اشتراک کرنے اور معلومات تک رسائی کا حق شامل ہے، اور اس کا تحفظ بین الاقوامی انسانی حقوق کے معاہدوں اور جمہوری ملک کے آئین کے ذریعے کیا جاتا ہے۔ [7]

جمہوریت کو "عوام کی حکمرانی" کے طور پر بیان کیا جاتا ہے۔، جس کی تشریح اس طرح کی جاتی ہے کہ تمام شہری مشترکہ امور کے تمام اہم پہلوؤں، بشمول سماجی زندگی، معیشت، اخلاقیات اور تعلیم پر عوامی فیصلہ سازی میں مساوی بنیاد پر شرکت کریں گے۔

جمہوریت کا مرکز یہ ہے کہ تمام شہریوں کو شرکت پر مبنی فیصلہ سازی کا حق حاصل ہے۔ جمہوریت کو حکومت کے ایک ایسے نظام کے طور پر سمجھا جا سکتا ہے جس میں ریاست کی حکمرانی کی طاقت قانونی طور پر عوام میں ہوتی ہے: عوام کی حکومت، عوام کے ذریعے، عوام کے لیے۔

6– Mair, Peter, The West European Party System،Oxford University Press. , ed. 2005.pp,55-56

7– حوالہ سابقہ، ص:197

جمہوریت میں Freedom of Expression یا اظہار آزادی رائے اہم تصور کیا جاتا ہے اس نظام کے تحت اقلیت کو بھی اہم مقام حاصل ہوتا ہے اور ان کی رائے کو نظر انداز کرنا ممکن نہیں ہوتا۔ اقلیتی گروہ یا جماعتیں جو حکومت نہیں بنا سکتیں وہ پارلیمنٹ میں حزب اختلاف کا کردار ادا کرتی ہیں اور حکومت کی پالیسیوں پر جائز اور مثبت تنقید کر کے ان کو اپنا نقطہ نظر واضح کر دیتی ہے اس طرح حکومت اپنی پالیسیوں میں اصلاح کی پابند ہوتی ہے۔

جدید جمہوریت میں پارلیمنٹ میں کی جانے والی تقاریر جو کسی بھی ادارے میں بہتری یا اصلاح کے لیے کی جاتی ہیں جس کی بنا پر کسی بھی منتخب رکن کے خلاف مقدمہ قائم نہیں کیا جا سکتا بشر طیکہ اس کا بیان قومی سلامتی اور مسلمہ اخلاقی قدروں کے منافی نہ ہو۔[8]

بنیادی انسانی حقوق:

بنیادی انسانی حقوق جمہوریت کا اہم ترین رکن تصور کیا جاتے ہیں کیونکہ جمہوریت اور جمہوری نظام بنیادی طور پر انسانی فلاح و بہبود کے لیے ہی وضع کیے گئے ہیں جو انسانوں کے گرد ہی گھومتا ہے۔ جمہوریت میں اداروں کا قیام حکومت سازی، سیاسی جماعتوں کا قیام یا عدل و مساوات کا قیام یہ سب عناصر انفرادی انسانی حقوق کا حصہ ہیں جمہوریت ایک نظام ہے جو انسان کو اس کے حقوق کے تحفظ کے لیے ایک پلیٹ فارم مہیا کرتا ہے۔ لہٰذا بنیادی انسانی حقوق میں Freedom of Expression کے علاوہ سیاسی، معاشی، معاشرتی، مذہبی اور تمدنی حقوق حاصل ہوتے ہیں اور یہ تمام حقوق اس ملک کے آئین کا حصہ ہوتے ہیں۔ جس کے تحت انھیں ان حقوق کی ضمانت اور تحفظ حاصل ہوتا ہے۔

انسانی حقوق کے جدید تصور نے دوسری عالمی جنگ کے بعد خاصی اہمیت حاصل کی، خاص طور پر ہولوکاسٹ کے مظالم کے جواب میں، جس کے نتیجے میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے 1948 میں عالمی اعلامیہ برائے انسانی حقوق (UDHR) کو اپنایا۔ اس دستاویز میں ایک جامع فریم ورک پیش کیا گیا جس میں ان حقوق کو تحفظ فراہم کرنے کی ترغیب دی گئی جو ممالک کے لیے ضروری ہیں، اور انسانی عظمت، آزادی، اور انصاف کے لیے ایک عالمی معیار قائم کیا گیا۔ UDHR نے اس کے بعد بے شمار بین الاقوامی معاہدوں اور قومی قوانین کو متاثر کیا جو ان حقوق کو عالمی سطح پر فروغ دینے اور تحفظ دینے کے لیے بنائے گئے ہیں۔

جدید جمہوریت کا عملی نظام تین بنیادی ستونوں پر قائم ہے جو درج ذیل ہیں۔۔[9]

8_ Becker, De Wet and Parker Roux Human Rights Literacy. Equality and Freedom" Paper Submitted to the *SAJE*, South Africa (Under Peer-Review) 2014 JSR.

9_ الراشدی، ابو عمار زاہد الراشدی، اسلام اور انسانی حقوق: اقوام متحدہ کے عالمی منشور کے تناظر میں، الشریعہ اکادمی، گوجرانوالہ، 2011ء، ص:66

ا– آزاد عدلیہ

"عدلیہ" عموماً "ایک ملک یا ریاست کے ججوں کو ایک گروپ کے طور پر" کہا جاتا ہے۔ چونکہ عدلیہ ایک قانونی ادارہ ہے، چنانچہ یہ حکومت کی وہ شاخ ہے جو قوانین کی تشریح اور انصاف کی فراہمی کی ذمہ دار ہوتی ہے۔ عدلیہ کے ایک نظام، ججوں کا ایک جسم ہے۔ عدلیہ کا سب سے اہم کام "قانونی فیصلہ سازی" ہے، جو مقننہ اور انتظامیہ کے ذریعہ کی جانے والی دو حکومتی اداروں، یعنی قانون سازی اور قانون کے نفاذ سے مختلف ہے۔ یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ عدلیہ کسی ایک فرد سے بڑی ہے؛ یہ حکومت کا ایک ادارہ ہے اور عوام کے لیے آخری امید ہے۔

عدلیہ تنازعات کے حل کے لیے ایک قانونی طریقہ کار فراہم کرتی ہے۔ ریاست میں اختیارات کی علیحدگی کے اصول کو لاگو کرتے ہوئے، عدلیہ عموماً قانون نہیں بناتی یا اس پر عملدرآمد نہیں کرتی، بلکہ قانون کی تشریح کرتی ہے اور اسے ہر کیس کے حقائق پر لاگو کرتی ہے۔ بعض خطوں میں، عدلیہ قانون بنا سکتی ہے جسے کامن لاز کہا جاتا ہے، اور یہ دوسرے ججوں کے لیے ایک نظیر قائم کرتی ہے جس کی پیروی کی جاتی ہے، جو کہ مقننہ کے ذریعہ بنائے گئے قواعد و ضوابط سے مختلف ہے۔ عدلیہ اکثر انصاف تک رسائی فراہم کرتی ہے۔

جدید جمہوری نظام تین بنیادی عناصر پر قائم ہوتا ہے جس میں انتظامیہ، عدلیہ اور مقننہ شامل ہیں۔ یہ تینوں ادارے آئین کی رو سے اپنے دائرے کار میں رہتے ہوئے اپنے فرائض سر انجام دیتے ہیں آئین کی رو سے یہ ایک دوسرے کے فرائض کی ادائیگی میں نہ صرف معاون و مددگار ہوتے ہیں بلکہ عدم مداخلت کے اصول پر بھی کاربند ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ عدلیہ اس جدید جمہوری نظام میں ریڑھ کی ہڈی کا کردار ادا کرتی ہے۔

عدلیہ کا نظام بنیادی انسانی حقوق، عدل اور مساوات کی ضمانت دیتا ہے اور حکومتی اداروں کی بے جا مداخلت اور انسانی حقوق کی پامالی کے خلاف اجتماعی اور انفرادی سطح پر انصاف فراہم کرتا ہے اور قانون کی عملداری اور حقوق کی پاسداری کی ضمانت فراہم کرتا ہے عدلیہ انفرادی اور اجتماعی سطح پر لوگوں کے درمیان پیدا ہونے والے مسائل جنھیں وہ باوجود حل کرنے میں ناکام ہوتے ہیں عدلیہ کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں جو انصاف کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے آئین اور قانون کے مطابق فیصلہ دیتی ہے۔

(1) عدلیہ کے فیصلے دونوں فریقین کو تسلیم کرنے ہوئے ہیں جب کہ حکومت وقت پر بھی یہ لازم ہوتا ہے کہ عدلیہ کے فیصلے پر عمل درآمد کرانے کے لیے سرکاری مشینری اور طاقت کا استعمال کرے تاکہ کمزور کو اس کا حق مل سکے۔

ججوں پر یہ فرض ہے کہ وہ درست قانون کا اطلاق کریں اور فیصلے کرتے وقت صحیح حقائق کا تعین کریں، یہ جانیں کہ قانون کیا ہے، اور اپنے قانون کے علم کو تازہ ترین رکھیں..."؛

(2) ججوں پر یہ فرض ہے کہ وہ قانون کو 'قانونی طور پر بہتر حالت' میں رکھیں" (جان فنِس کا حوالہ دیتے ہوئے، اور اس کا مطلب ہے کہ ججوں کو غیر وضاحت اور تنازعات کو حل کرنا چاہیے)؛

(3) ججوں پر یہ فرض ہے کہ وہ اپنے عمل کو اور اپنے عدالتی عمل کی نگرانی کریں، اور قانون کی حکمرانی اور اپنے دائرہ اختیار کی سالمیت کی حفاظت کریں ان لوگوں سے جو اسے حملہ کرنے کی کوشش کریں۔[10]

۲-انتظامیہ

انتظامیہ سیاسی نظام کا ایک عالمگیر پہلو ہے جو دنیا بھر میں موجود ہے۔ یہ حکومت کا دوسرا لیکن سب سے طاقتور ادارہ ہے۔ انتظامیہ وہ قوانین نافذ کرتی ہے جو مقننہ نے منظور کیے ہیں اور حکومت کی پالیسیوں کو عملی جامہ پہناتی ہے۔ عام استعمال میں، اسے حکومت کے طور پر شناخت کیا جاسکتا ہے۔ معاصر دور میں ہر ریاست میں انتظامیہ کی طاقت اور کردار میں بہت اضافہ ہوا ہے۔

لفظ "انتظامیہ" کو اس کی وسیع اور تنگ دونوں شکلوں میں تعریف کیا گیا ہے۔ وسیع معنی میں، یہ تمام افسران، سیاسی طاقت کے حامل افراد (سیاسی انتظامیہ) اور بیوروکریسی (مستقل سول یا بعض عوامی ملازمین) کی علامت ہے جو قوانین اور پالیسیوں کو نافذ کرتے ہیں اور ریاست کے انتظام کو چلانے کا کام کرتے ہیں۔ انتظامیہ کا ادارہ تمام افسران اور ایجنسیوں کا مجموعہ ہوتا ہے جو ریاست کی مرضی کے نفاذ سے متعلق ہوتے ہیں جیسا کہ وہ مرضی قانون کی صورت میں تشکیل اور اظہار کی گئی ہو۔ اپنے وسیع ترین معنی میں، انتظامیہ کا شعبہ تمام حکومتی افسران پر مشتمل ہوتا ہے سوائے ان کے جو مقننہ یا عدلیہ کی حیثیت میں کام کرتے ہیں۔ اس میں حکومت کی تمام ایجنسیاں شامل ہیں جو ریاست کی مرضی کے نفاذ سے متعلق ہیں جیسا کہ قانون کی صورت میں ظاہر کی گئی ہو۔

جدید دور میں، انتظامیہ کو اس کی وسیع تر شکل میں تعریف کیا گیا ہے اور یہ سیاسی انتظامیہ کے ساتھ ساتھ بیوروکریسی دونوں کو شامل کرتا ہے۔ سیاسی انتظامیہ پالیسیوں کو بنانے اور یہ یقینی بنانے کا کام کرتی ہے کہ تمام قوانین حکومت کے تمام شعبوں کے ذریعے درست طریقے سے نافذ ہوں۔ بیوروکریسی (سول اور بعض عوامی ملازمین) روزمرہ کے انتظام کو چلانے اور حکومتی شعبوں میں کام کرتی ہے۔ تاہم، ان کی نگرانی اور کنٹرول سیاسی انتظامیہ کے تحت ہوتا ہے۔

10_ پاکستان کے مروجہ عدالتی نظام میں تاخیر انصاف کے اسباب: ایک تحقیقی وتنقیدی جائزہ، رفیع اللہ، ڈاکٹر مقدس اللہ، مجلہ: اکٹا اسلامیکا، جلد نمبر: 11، شمارہ نمبر: 1، 2023، ص: 68-70

انتظامیہ واحد یا جمع، صدارتی یا پارلیمانی، وراثتی یا منتخب ہو سکتی ہے۔ ایک واحد انتظامیہ اس وقت موجود ہوتی ہے جب تمام انتظامی اختیارات ایک واحد افسر / رہنما کے ہاتھوں میں مرکوز ہوں، اسے واحد انتظامیہ کہا جاتا ہے۔ نائجیریا، امریکہ، آسٹریلیا، فرانس اور بہت سی دیگر ریاستوں میں واحد انتظامیہ موجود ہے۔ جبکہ جہاں انتظامی اختیارات افراد کے گروپ یا کمیٹی / کونسل / کمیشن کے ہاتھوں میں دیے جاتے ہیں اور یہ اختیارات اس ادارے کے تمام ارکان کے ذریعے اجتماعی طور پر استعمال کیے جاتے ہیں، اسے جمع انتظامیہ کہا جاتا ہے۔ اس کی ایک اہم مثال سوئٹزرلینڈ ہے۔

انتظامیہ کا بنیادی کام قوانین کو نافذ کرنا اور ریاست میں امن و امان قائم رکھنا ہے۔ ہر حکومتی شعبہ اپنے کام سے متعلق قوانین اور پالیسیوں کے نفاذ کا ذمہ دار ہوتا ہے۔[11]

جمہوری نظام کے تحت انتظامیہ کا وجود عام انتخابات کے نتیجے میں قائم ہوتا ہے عام انتخابات میں ہر بالغ انفرادی طور پر ووٹ دینے کا اہل ہوتا ہے۔ وہ اپنے ووٹ یا حق رائے دہی کے ذریعے اپنے نمائندوں کا انتخاب کرتا ہے اور انھیں حکومت کے ایوانوں میں بھیجتا ہے موجود دور میں مختلف جمہوری ممالک میں حق رائے دہی کے لیے تقریباً ایک ہی جیسے اصول وضع کیے گئے ہیں تاہم کچھ ممالک میں عمر کی حد مختلف مقرر کی گئی ہیں۔

عام انتخابات کے نتیجہ میں قائم ہونے والے اکثریت حاصل کرنے والی جمایت یا جماعتیں مل کر حکومت بناتی ہیں اور پارلیمانی طرز حکومت کے تحت اپنا ایک سربراہ مقرر کرتی ہیں جو وزیر اعظم کہلاتا ہے کچھ ممالک میں حکومتی سربراہ وزیر اعظم کی بجائے صدر یا چانسلر وغیرہ بھی کہلاتے ہیں۔ زیادہ تر مغربی اور ایشیائی ممالک میں حکومتی سربراہ وزیر اعظم ہی کہلاتا ہے اور دیگر منتخب نمائندوں میں سے اہلیت کی بنیاد پر وزراء مقرر کیے جاتے ہیں اس طرح ایک کابینہ تشکیل پاتی ہے جسے مختلف محکمے تفویض کیے جاتے ہیں جن کا بنیادی مقصد ان محکموں میں اصلاحات کر کے عوام الناس کے لیے بہتر زندگی گزارنے کے مواقع فراہم کرنا ہوتا ہے چونکہ جمہوریت کا بنیادی مقصد ہی عوامی فلاح و بہبود اور ان کا معیار زندگی بہتر بنانا ہوتا ہے لہٰذا ان کے منتخب شدہ نمائندے بنیادی طور پر عوامی ترقی اور فلاح پر توجہ مرکوز رکھتے ہیں۔

حکومتی سربراہ اور اس کی کابینہ تمام حکومتی امور سرانجام دیتی ہے اور اندرون ملک کے علاوہ بین الاقوامی سطح پر اپنے معاشی اور معاشرتی حقوق کے تحفظ کے لیے دوسرے ممالک کے ساتھ اچھے تعلقات قائم کرنے کی کوشش کرتی ہے تاکہ تجارت کو بڑھا کر ملک کی فی کس آمدنی میں اضافہ کیا جاسکے اور ملک کو معاشی طور پر مضبوط کیا جاسکے کیونکہ ایک مضبوط معاشی نظام ہی کسی ملک کی سلامتی کا ضامن ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ دوسرے ملکوں کے ساتھ پیدا ہونے والے تنازعات ملک کے

11۔ اختر، حامد سعید، ریاست سیاست اور قیادت، شام کے بعد پبلیکیشنز، لاہور، 2002ء، ص:249

اندر امن وامان قائم کرنا اور بنیادی انسانی حقوق کا تحفظ کرنا بھی اسی حکومت اور کابینہ کی ذمہ داری ہوتی ہے بہترین جمہوری نظام ہی ایک پر امن اور معاشی طور پر مضبوط حکومت اور ملک کے ضامن ہوتے ہیں۔

دور جدید میں برطانیہ کو ایک بہترین جمہوریت قرار دیا جاتا ہے اور برطانوی پارلیمنٹ کو Mother of Parliament کہا جاتا ہے جبکہ بھارت اس وقت خود کو دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت کہلاتا ہے۔

۳۔مقننہ

مقننہ یا پارلیمنٹ ایک منفرد ادارہ ہے اور شاید جمہوریت کی علامت ہے۔ مقننہ عوام کی نمائندگی کے لیے قائم کی جاتی ہے اور آئینی جمہوریت میں مرکزی کردار ادا کرتی ہے۔ مقننہ جو عوام کی نمائندگی کرتی ہے اور ان کے ایجنٹ کے طور پر کام کرتی ہے، اس لیے مغربی جمہوری روایات کا مرکز ہے۔ وہ داخلی طور پر وسیع سیاسی ماحول کے رد عمل میں ارتقا پذیر ہوتی ہے۔ مقننہ کے ذریعے، ایک قوم کے شہری اپنی خواہشات کا اظہار کرتے ہیں۔ نتیجتاً، یہ حکومتی ادارہ لبرل جمہوریتوں سے الگ نہیں ہے کیونکہ یہ انہی کے گرد تشکیل پاتی ہیں۔[12]

کسی بھی جمہوریت میں، مقننہ حکومت کے دیگر اداروں اور معاشرے پر نگرانی کا عمل کرتی ہے۔

ایک مقررہ مدت کے بعد ہر جمہوری ملک میں عام انتخابات کا انعقاد کیا جاتا ہے جس کے نتیجہ میں ایک پارلیمنٹ وجود میں آتی ہے اس پارلیمنٹ کے تمام ممبران عام طور پر برائے راست عوام کے ووٹ سے منتخب ہوتے ہیں تاہم چند ممالک میں پارلیمنٹ کے ممبران بالواسطہ بھی چننے جاتے ہیں جیسا کہ برطانوی ہاؤس آف لارڈ، بھارت میں راجیہ سبھا اور پاکستان میں سینٹ کے ممبران بالواسطہ چنے جاتے ہیں۔ تاہم بنیادی طور پر پارلیمنٹ کا جو حصہ برائے راست حق رائے دہی سے وجود میں آتا ہے وہی حکومت قائم کرتا ہے اور عوام کے سامنے جواب دہ ہوتا ہے عوام کے ان منتخب نمائندوں کی بنیادی ذمہ داری قانون سازی ہوتی ہے اور یہ ملکی نظام کو چلانے معاشی اور معاشرتی ترقی کے لیے ایسے قوانین وضع کرتے ہیں جو اجتماعی اور انفرادی طور پر لوگوں کی فلاح وبہبود کے لیے استعمال ہو سکیں۔ پارلیمنٹ کے یہ ممبران کسی بھی قانون کے مسودہ کو زیر غور لاتے ہیں اور اس پر سیر حاصل بحث کی جاتی ہے۔

تفصیلی بحث ومباحثہ کے بعد اس قانون کو اکثریتی ووٹوں کی بنیاد پر قانون کا درجہ دیا جاتا ہے جو بعد ازاں اس ملک کے سربراہ مملکت جیسا کہ برطانیہ میں ملکہ یا بادشاہ، پاکستان اور بھارت میں صدور کے دستخطوں کے بعد وہ باقاعدہ ایک قانون کا

12۔صدیقی، عبد الحفیظ، مقننہ اور قانون سازی، کتاب گھر، حیدر آباد، انڈیا، 1952ء، ص:70-74

درجہ حاصل کر لیتا ہے۔ حکومت وقت اس چیز کی پابند ہوتی ہے کہ اس قانون سازی پر مکمل طور پر عمل درآمد کروائے اور عدالتیں بھی اس چیز کی پابند ہوتی ہیں کہ کہ مقننہ کے بنائے ہوئے قوانین کے مطابق ہی عدل و انصاف کے فیصلے کریں۔

جدید جمہوری نظام میں مقننہ کا ایک بہت ہی اہم کردار ہے کیونکہ قانون سازی ہی کی بنیاد پر کسی مملکت کے نظام کا وجود کھڑا ہوتا ہے۔ لہٰذا جدید جمہوریت میں عدلیہ انتظامیہ اور مقننہ تینوں لازم و ملزوم ہیں۔ ان میں کسی ایک فریق کی عدم موجودگی کی صورت میں جدید جمہوری نظام کھڑا نہیں ہو سکتا۔[13]

پاکستانی پارلیمنٹ میں قانون سازی کا طریقہ کار: وفاقی قانون سازی کی فہرست سے متعلق بل کسی بھی ایوان میں شروع کیا جا سکتا ہے۔ اگر ایوان بل کو اکثریتی ووٹ سے منظور کر لیتا ہے تو اسے دوسرے ایوان کو منتقل کر دیا جاتا ہے۔ اگر دوسرے ایوان میں اسے بغیر کسی ترمیم کے منظور کر لیا جائے تو یہ صدر کو دستخط کے لیے پیش کیا جائے گا۔ اگر بل جو دوسرے ایوان کو منتقل کیا گیا تھا نوے دن کے اندر منظور نہ ہو یا مسترد ہو جائے، تو اسے مشترکہ اجلاس میں پیش کیا جائے گا جسے صدر ایوان کی درخواست پر طلب کریں گے جس میں بل شروع کیا گیا تھا۔ اگر بل مشترکہ اجلاس میں اکثریتی ووٹوں سے منظور ہو جاتا ہے، چاہے ترمیم کے ساتھ ہو یا بغیر ترمیم کے، تو یہ صدر کو دستخط کے لیے پیش کیا جائے گا۔ اگر بل صدر کو دستخط کے لیے پیش کیا جائے، تو صدر دس دن کے اندر بل کو دستخط کر دیں گے۔ اگر یہ مالی بل نہیں ہے تو صدر اس بل کو مجلسِ شوریٰ کو واپس بھیج سکتا ہے اور پیغام میں یہ درخواست کر سکتا ہے کہ بل پر دوبارہ غور کیا جائے اور پیغام میں دی گئی ترمیم پر غور کیا جائے۔ مجلسِ شوریٰ اس بل پر دوبارہ مشترکہ اجلاس میں غور کرے گی۔ اگر بل دوبارہ، چاہے ترمیم کے ساتھ ہو یا بغیر ترمیم کے، اکثریتی ووٹوں سے منظور ہو جائے، تو یہ صدر کو دستخط کے لیے پیش کیا جائے گا اور صدر دس دن کے اندر اس پر دستخط کر دیں گے؛ بصورت دیگر اسے منظور شدہ تصور کیا جاتا ہے۔ آئین کے تحت، پارلیمنٹ صوبوں کے درمیان بھی قانون سازی کر سکتی ہے بشرطیکہ وہ صوبے اس کی رضامندی اور درخواست کریں۔ اگر وفاقی حکومت کسی صوبے میں ایمرجنسی کا اعلان کرتی ہے تو اس صوبے کے بارے میں قانون سازی کا اختیار پارلیمنٹ کو مل جاتا ہے۔ تاہم، ایمرجنسی کے دوران پارلیمنٹ کے منظور کردہ بل چھ ماہ کے بعد غیر مؤثر ہو جائیں گے جب ایمرجنسی اٹھالی جائے گی۔ تاہم، ان قوانین کے تحت پہلے کیے گئے اقدامات جائز رہیں گے۔ اپنے آئینی کردار کے تحت، پارلیمنٹ کو بہت اہم دیگر ذمہ داریاں بھی ادا کرنی ہوتی ہیں۔ صدر، جو اعلیٰ ترین عہدہ پر ہیں، دونوں ایوانوں اور صوبائی اسمبلیوں کے اراکین کے ذریعے منتخب ہوتے ہیں۔ وزیر اعظم، جو کابینہ کے سربراہ ہیں اور صدر کی مدد اور مشورہ دینے کے لیے منتخب ہوتے ہیں، قومی اسمبلی سے تعلق رکھتے ہیں۔ وہ قومی اسمبلی کے اراکین کی اکثریت کے

13۔ حوالہ سابقہ، ص: 45

اعتماد کا حامل ہوتا ہے۔ کابینہ کے ارکان وزیر اعظم کی مشورہ پر صدر کے ذریعے مقرر کیے جاتے ہیں۔ کابینہ کی تشکیل میں زیادہ تر حصہ (75٪) قومی اسمبلی کو ملتا ہے جبکہ باقی (25٪) سینیٹ سے لیا جاتا ہے۔ اگر وزیر اعظم قومی اسمبلی کے اراکین کی اکثریت کا اعتماد کھو دیتا ہے تو اس کو اس کے عہدے سے ہٹانے کے لیے ایک جمہوری طریقہ کار ہے۔ اس سلسلے میں قومی اسمبلی کے کل ارکان میں سے کم از کم 20٪ کے ذریعے عدم اعتماد کی قرارداد پیش کی جاتی ہے۔ اگر قرارداد کو قومی اسمبلی کے کل ارکان کی اکثریت سے منظور کر لیا جائے تو وزیر اعظم فوری طور پر اپنے اختیارات چھوڑ دیتا ہے۔ اسی طرح، صدر کو ہٹانے یا ان کے مواخذے کے لیے، ایوان کے کل ارکان میں سے کم از کم نصف ارکان تحریری طور پر اپنے ارادے کا اظہار کرتے ہیں اور اس مقصد کے لیے قومی اسمبلی کے اسپیکر یا سینیٹ کے چیئرمین کو قرارداد پیش کرنے کے لیے کہتے ہیں۔ دونوں ایوانوں کا مشترکہ اجلاس اس مقصد کے لیے طلب کیا جاتا ہے اور اجلاس میں غور و فکر کے بعد اگر قرارداد پارلیمنٹ کے کل ارکان کی دو تہائی اکثریت سے منظور ہو جائے تو صدر فوری طور پر عہدے سے ہٹ جائیں گے۔ اگر ایمرجنسی کا اعلان کیا جائے تو پارلیمنٹ کو قومی اسمبلی کی مدت میں توسیع کا اختیار حاصل ہوتا ہے۔ آئین کے تحت، پارلیمنٹ وفاقی حکومت کی درخواست پر، قانون کے ذریعے وفاقی حکومت کے ماتحت افسران یا حکام کو فرائض تفویض کر سکتی ہے۔

روایتی اسلامی فکر اور عالم اسلام کا رائج نظام سیاست یا حکمرانی:

اسلام میں عملی زندگی کے احکام اور اس کے اصولوں کو لوگوں کے درمیان نافذ کرنا اور ان کی رہنمائی کرنا اصل میں اسلامی حکمت کا حصہ ہے۔ اسلام میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ دنیا اور آخرت کے مفادات کو لوگوں کے درمیان منظم طریقے سے تقسیم کیا جائے۔ دین اور دنیا کے مابین ایک توازن قائم کرنا ضروری ہے، اور اسلام نے اس کے لیے ایک ایسا طریقہ کار وضع کیا ہے جو ہر لحاظ سے مفید ہو۔

اسلام میں سیاست اور حکمرانی کا مفہوم ایک دوسرے سے جڑا ہوا ہے، جہاں اسلامی اصولوں کے مطابق حکومتی عمل کی جوازیت اور اس کے درست ہونے کی اہمیت کو تسلیم کیا گیا ہے۔ اسلامی سیاست کا مقصد لوگوں کے معاملات کو منظم کرنا اور ان کے مسائل کو شریعت کے مطابق حل کرنا ہے۔

اسلامی سیاست اور حکمرانی کے مفہوم میں یہ بات بھی شامل ہے کہ حکومتی نظام کو شریعت کے اصولوں کے مطابق چلایا جائے تاکہ اس میں فساد نہ ہو اور اس کے ذریعے لوگوں کی فلاح کا راستہ ہموار ہو سکے۔ اس میں مختلف پہلو شامل ہیں جیسے حکومتی فیصلوں کا انصاف کے مطابق ہونا، حالات کی درست ترجمانی اور لوگوں کے حقوق کا تحفظ کرنا مسلمان بحیثیت انسان زمین پر خدا کا نائب ہے اور اصل حکمرانی اللہ تعالیٰ کے لیے وقف ہے لہٰذا انسان بحیثیت خلیفہ یا نائب کے صرف اس چیز پر اختیار رکھتا ہے کہ وہ احکامات الٰہیہ کو مملکت خداداد میں نافذ کر کے انسانوں کی فلاح و بہبود کے لیے استعمال کرے۔ رسول پاک ﷺ نے

اپنی زندگی مبارکہ میں حکومت الٰہیہ کی تشکیل اور قیام کے لیے بہت جدوجہد کی۔ اسلام رنگ و نسل زبان اور زمینی حدود کو یکسر رد کرتا ہے اور مسلمانوں کو بحیثیت مجموعی اس چیز کا حکم دیتا ہے کہ ﴿وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیعًا وَلَا تَفَرَّقُوا﴾[14]

(اللہ کی رسی کو سب مضبوطی سے تھام لو اور تفرقہ بندی نہ کرو۔)

ایک اور جگہ فرمایا: ﴿ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ ﴾[15]

(اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے امیروں کی اطاعت کرو۔)

ان آیات کا مفہوم یہ ہے کہ اسلام صرف عبادت کا دین نہیں ہے۔ اس میں ایک طرف دنیاوی نظام ہے جبکہ دوسری طرف اخروی نظام رکھا گیا ہے۔

اور ان دونوں نظاموں کو چلانے کے لیے نبی کریم ﷺ کے نقش قدم پر چلنا لازم ہے۔

آپ ﷺ نے حکومت الٰہیہ کے قیام میں جو جدوجہد فرمائی وہ مسلمان حکمرانوں اور سیاست دانوں کے لیے ایک نمونہ اور مثال ہے جس میں انسانی فلاح و بہبود کا راز مضمر ہے۔

اسلامی فکر در اصل خلافت الٰہیہ ہے جسے زمین پر قائم کر کے عدل وانصاف اور مساوات کا نظام قائم بھی کیا جا سکے۔ آپ ﷺ نے اپنے دور میں اگرچہ مکہ میں خلافت الٰہیہ کی بنیاد رکھ دی تھی اور اس کے خدوخال بھی وضع فرما دیئے تھے تاہم اس کا باقاعدہ اجراء ریاست مدینہ کی صورت میں ہوا۔ آپ ﷺ نے ہجرت کے بعد فکر اسلامی کے تحت ریاست کا قیام عمل میں لایا اور قرآن حکیم کے احکامات کے تحت خلافت کا نظام قائم کیا جس میں خلیفہ وقت اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہ ہے اور جو اختیارات اسے دیئے گئے ہوں ان کا استعمال غیر جانب دارانہ اور منصفانہ طور پر کرنا اس پر لازم ہیں۔ آپ ﷺ نے اسلامی فکر کے تحت ریاست مدینہ میں بہت سی اصلاحات کیں اور ریاست مدینہ کو ایک اسلامی فلاحی مملکت بنایا جس میں مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلموں کے حقوق کا بھی تحفظ کیا گیا۔ ریاست مدینہ میں رہنے والے تمام لوگوں کو انصاف تک رسائی کے برابر مواقع حاصل تھے۔ آپ ﷺ نے کتاب الٰہیہ یعنی قرآن حکیم کے احکامات کے تحت خلیفہ وقت کو عوام الناس کے سامنے جواب دہ بنایا جس کی مثال خلفائے راشدین کے دور میں ملتی ہے۔

خلفائے راشدین کے دور میں کوئی بھی شخص کھڑا ہو کر خلیفہ وقت سے سوال کر سکتا تھا اسلامی مملکت میں حاکمیت کا تصور یہ ہے کہ وہ مملکت کے اندر رہنے والے لوگوں کے مسائل کا ادراک رکھے انصاف و مساوات کو قائم کرے اور عوام الناس

---

[14] –القرآن، 103:3۔

[15] –القرآن، 59:4۔

کی خدمت کا تصور لے کر حکمرانی کا حق ادا کرے۔ اسلامی مملکت کے حکمران بیت المال سے اپنی طے شدہ اجرت یا ضرورت سے زیادہ خرچ کرنے کے مجاز نہیں کیونکہ بیت المال میں جمع ہونے والا مال مملکت اسلامیہ میں ایک امانت تصور کیا جاتا ہے جو صرف اللہ تعالیٰ کے احکامات کے تحت امور انتظامیہ کو چلانے اور عوامی فلاح وبہبود پر خرچ کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔[16]

آپ ﷺ نے ریاست مدینہ کو مندرجہ ذیل خطوط پر استوار فرمایا:

"آپ ﷺ کسی بھی اہم کام کا فیصلہ کرنے سے پہلے اپنے برگزیدہ صحابہ اکرامؓ سے مشورہ فرماتے تھے اور اس کے بعد آپ ﷺ فیصلہ فرماتے۔"

قرآن حکیم میں انسانی حقوق کی صحیح صورت یہ ہے کہ ریاست اللہ اور رسول ﷺ کی قانونی بالادستی کو قبول کرے اور خود حق حکمرانی سے دستبردار ہو جائے اور خلافت کے نظام کو حاکم حقیقی کے احکامات کے تحت چلائے اس حیثیت میں اس کے اختیارات خواہ عدالتی ہوں، انتظامی ہو یا تشریعی ہوں وہ احکام الٰہیہ کی حدود کے اندر ہی ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے: ﴿وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْکَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْکِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْکُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَکَ مِنَ الْحَقِّ﴾[17]

(اے نبی! ہم نے یہ کتاب تمہاری طرف حق کے ساتھ نازل کی ہے۔ جو تصدیق کرتی ہے پہلے آئی ہوئی کتابوں کی اور نگہبان ہے ان پر پس جو اللہ نے نازل کیا ہے تم اس کے مطابق لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو اور لوگوں کی خواہشات کی پیروی میں اس حق سے منہ نہ موڑو جو تمہارے پاس آیات ہیں۔)

اسلام میں خلافت کا تصور یہ دیا گیا ہے کہ زمین میں انسان کو جو قدرتیں بھی حاصل ہیں وہ اللہ کی عطا کردہ ہیں اللہ تعالیٰ نے خود ان کو ایسے مرتبے میں رکھا ہے کہ وہ اس کی بخشی ہوئی طاقتوں کو اس کے احکامات کے تحت استعمال کرے۔ اس لیے انسان یا خلیفہ وقت خود مختار یا مالک نہیں بلکہ اصل مالک اور حاکم یعنی اللہ تعالیٰ کے نائب ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِيْفَةً﴾[18]

(اور یاد کرو جب تمہارے رب نے ملائکہ سے کہا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔)

---

[16]۔ندوی، شاہ معین الدین احمد، تاریخ اسلام، نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد، 1985ء، ج:1، ص:25

[17]۔القرآن، 48:5۔

[18]۔القرآن، 30:2۔

خلافت حقیقی اور جائز تب ہی تصور کی جائے گی جب وہ مالک حقیقی کے حکم کے تحت ہو اس سے روگردانی کر کے خود مختارانہ نظام قائم کرنے سے حکومت، خلافت کی بجائے بغاوت بن جاتی ہے۔

لہٰذا قرآن پاک میں ارشاد ہوا: ﴿وَعَدَ اللهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِى ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِىْ لَا يُشْرِكُوْنَ﴾[19]

(تم میں جو لوگ ایمان لائے ہیں اور جنھوں نے نیک عمل کیے ہیں اللہ نے ان سے وعدہ کیا ہے کہ وہ انھیں زمین میں خلیفہ بنائے گا جس طرح اُس نے اس سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا انھیں چاہیے کہ وہ میری بندگی کریں اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔)

نظام خلافت میں نیکی کے احکامات کی اطاعت لازم ہے جبکہ کسی بھی غیر شرعی حکم پر خلیفہ وقت کی اطاعت لازم نہیں ہے۔

قرآن حکیم میں ہے: ﴿وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا﴾[20]

(ان میں سے کسی گناہگار یا ناشکر کی اطاعت نہ کرو۔)

جبکہ حدیث نبوی ﷺ جو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

"لَا طَاعَةَ فِي مَعْصِيَةٍ إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوفِ"[21]

(نافرمانی میں کسی کی اطاعت نہیں کی جاتی۔ اطاعت صرف نیکی کے کاموں میں ہوتی ہے۔)

ریاست کے نظام کو چلانے کے لیے امرا کے انتخاب میں اس چیز کا خیال رکھا جاتا ہے کہ امیر ان اصولوں سے بخوبی واقف ہو جن کے تحت خلافت کی ذمہ داری اسے سونپی جارہی ہو۔ کیونکہ خلافت کی ذمہ داری ایسے شخص کو نہیں دی جاتی جو احکامات الٰہیہ کے خلاف ہو۔ چنانچہ قرآن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِى الْاَمْرِ مِنْكُمْ﴾[22]

---

[19]۔ القرآن، 55:24۔

[20]۔ القرآن: 24:76۔

[21]۔ بخاری، محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن المغیرۃ (194ھ-256ھ) صحیح بخاري، كِتَابُ أَخْبَارِ الآحَادِ ،بَابُ مَا جَاءَ فِي إِجَازَةِ خَبَرِ الوَاحِدِ الصَّدُوقِ فِي الأَذَانِ وَالصَّلاَةِ وَالصَّوْمِ وَالفَرَائِضِ وَالأَحْكَامِ، حدیث نمبر: 7257۔

[22]۔ القرآن، 59:4

(اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ اور رسول ﷺ کی اور ان لوگوں کی جو تم میں اولی الامر ہوں۔)

یعنی حاکم وقت یا خلیفہ اور فاسق و فاجر نہ ہو اور اللہ کی حدود سے تجاوز نہ کرتا ہو بلکہ خدا ترس اور نیکوکار ہو اور یہ کہ وہ نادان اور جاہل نہ ہو بلکہ عالم و دانا اور فہم و فراست رکھتا ہو۔

وہ ایسا امانت دار ہو کہ اپنی ذمہ داریوں کا بوجھ خود اعتمادی سے اٹھا سکے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا﴾[23]

(اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہل امانت کے حوالے کرو۔)

فکر اسلامی کے تحت ریاست اسلامی کے بنیادی اصول وضع کیے گئے ہیں ریاست کا دستور جس بنیاد پر قائم ہو اس کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾[24]

(اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور ان لوگوں کی جو تم میں سے اولی الامر ہوں پھر اگر تمھارے درمیان کسی معاملہ میں نزاع ہو جائے تو اسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف پھیر دو اگر تم اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔)

اس آیت مبارکہ میں چھ بنیادی دستوری نکات کی وضاحت کی گئی ہے:

۱۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت ہر حالت میں مقدم ہے۔

۲۔ امیر یا خلیفہ کی اطاعت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی تعلیمات کے تحت ہو۔

۳۔ خلیفہ یا امیر اہل ایمان ہو۔

۴۔ عوام الناس کو حکام اور حکومت سے اختلاف کا حق حاصل ہے۔

۵۔ اختلاف کی صورت میں آخری فیصلہ اللہ اور اس کے رسول کے احکامات کے تحت ہو گا۔

۶۔ خلافت ایک ایسا نظام یا ادارہ ہونا چاہیے جو امیر یا عوام کے دباؤ سے آزاد رہ کر اختلاف رائے اور تنازعات کا فیصلہ کر سکے۔

---

[23] القرآن، 58:4۔

[24] القرآن، 59:4۔

فکر اسلامی کے تحت انتظامیہ اور مقننہ کے اختیارات لازماً حدود اللہ اور رسول ﷺ کے قوانین کے تابع ہوں گے۔ تجاوز کی صورت میں انتظامیہ یا مقننہ کوئی ایسا حکم نہیں دے سکتی جو معصیت کے زمرے میں آتا ہو کیونکہ آئین خداوندی کے دائرے سے باہر اسے اطاعت کے مطالبہ کا حق ہی نہیں پہنچتا۔ انتظامیہ اور شوریٰ انتخابات کے ذریعے وجود میں آنی چاہیے۔ شوریٰ یا مشاورت کے سلسلے میں قرآن مجید قطعی صورتیں عائد نہیں کرتا بلکہ ایک اصول قائم کر کے اس پر عمل درآمد کی اجازت دیتا ہے اور مختلف زمانوں اور معاشرتی حالات اور ضرورت کے تحت انھیں کھلا چھوڑ دیتا ہے۔

مقننہ مشاورت کا کردار ادا کرتی ہے لیکن اس کے قانون سازی کے اختیارات اللہ اور اس کے رسول کے وضع کردہ احکامات کے زیر دست رہے گے۔ مقننہ قانون کی تشریح کر سکتی ہے مگر احکامات خداوندی میں کسی قسم کا ردوبدل کا اختیار نہیں رکھتی۔ مقننہ ہر ضرورت کے تحت قانون سازی کر سکتی ہے۔

فکر اسلامی کے تحت خلافت میں عدلیہ ہر طرح کی مداخلت سے آزاد ہوتی ہے تاکہ وہ عوام اور احکام کا مقابلہ کر سکے اور بلا کسی خوف وڈر قانون کے مطابق فیصلے کر سکے عدلیہ ذاتی پسند اور نہ پسند اور خواہشات سے بالاتر ہو کر انصاف کرنے کی پابند ہوتی ہے۔[25] قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

﴿فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ﴾[26]

(ان کے درمیان اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ کرو اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کرو۔)

نظام الٰہیہ میں خلافت وریاست کے دو بڑے مقاصد ہوتے ہیں اوّل یہ کہ انسانی زندگی میں عدل وانصاف لایا جائے ظلم کا وجود ختم کیا جائے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ﴾[27]

(ہم نے اپنے رسولوں کو واضح ہدایات کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان بھی نازل کی تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں اور ہم نے لوہا نازل کیا جس میں سخت قوت اور لوگوں کے لیے منافع ہے۔)

[25]—احمد دیدات، اسلام نظام زندگی قرآن اور عصری سائنس کی روشنی میں، عبد اللہ اکیڈمی، لاہور، 2000ء، ص:111-117۔

[26]—القرآن، 48:5۔

[27]—القرآن، 25:57۔

جبکہ ریاست کا دوسرا بڑا مقصد حکومت کے اختیارات اور وسائل سے نیکی کو ترقی دی جائے اور برائی کو ختم کیا جائے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ﴾[28]

(یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم انھیں زمین میں اقتدار دیں تو یہ نماز قائم کریں گے زکوٰۃ دیں گے نیکی کا حکم دیں گے اور بدی سے روکیں گے۔)

اس سلسلہ میں **حدیث مبارکہ** ہے: (اللہ تعالیٰ (اپنے اطاعت گزاروں کی) حکومت کی قوت کے ذریعے وہ کام لیتا ہے جو وہ (محض) قرآن (کی تلقین کے ذریعے) سے نہیں لیا کرتا۔

اسلام اور جمہوریت: معیاری خاکہ

اسلام اور جمہوریت پر بیسویں صدی کے اوائل میں جمہوریت اور اسلام کے تعلق پر گفتگو جدیدیت سے متعلق وسیع تر مباحثوں کا حصہ تھی، اور اس وقت جمہوریت بہت سی مغربی معاشروں میں بھی متنازعہ موضوع تھی۔

مسلم دنیا کے اندر مفکرین نے دلیل دی کہ اسلام اور جمہوریت ایک دوسرے سے مطابقت نہیں رکھتے۔ اس کی تین بنیادی وجوہات پیش کی گئیں:

پہلی: اسلامی تصورِ مطلق حاکمیتِ الٰہی، یعنی خدا کی حاکمیت، جو ان کے نزدیک جمہوریت میں عوام کی حاکمیت کے تصور سے متصادم ہے؛

دوسری: اسلام میں قانون خدا کی طرف سے مقرر اور نافذ کیا گیا ہے، اور یہ کہ خدا کے قانون، شریعت، کو منتخب پارلیمانوں کے ذریعے تبدیل نہیں کیا جا سکتا؛

تیسری: پارلیمانوں کو قانون کے ماخذ کے طور پر دیکھنا توہینِ مذہب کے مترادف سمجھا گیا۔ صدی کے وسط میں بعض انقلابی مفکرین نے بھی ان نظریات کی حمایت جاری رکھی۔ ابوالاعلیٰ مودودی نے جمہوریت کو بطور عقیدہ اور عمل اور اسلام بحیثیت دین میں فرق کرتے ہوئے کہا:

عوام کی حکومت کا مطلب کیا ہے؟ صرف یہ کہ کسی ملک کے عام لوگ اس کے اعلیٰ ترین حاکم ہوں؛ کہ وہ خود ایسی قانون سازی کریں کہ جس کے تحت وہ حکمرانی کریں؛ اور ملک کے تمام باشندے اپنے جمہوری اقتدار کے تابع فرمانبرداری اور اس کی غلامی قبول کریں۔

یہ اسلام کے تصور دین کے ساتھ متصادم ہے، جس کے مطابق:

---

[28] القرآن، 41:22

اس دین کی بنیاد یہ ہے کہ اللہ ہی زمین کا مالک اور تمام انسانوں کا حاکم ہے۔ اس لیے صرف اسی کی اطاعت اور بندگی کی جانی چاہیے، اور انسانی زندگی کے تمام معاملات اسی کی شریعت کے مطابق چلائے جانے چاہئیں۔ اسلام میں اللہ کی مطلق حاکمیت کا اصول واضح طور پر یہ مقصد رکھتا ہے کہ دنیا میں صرف اللہ کا حکم نافذ ہو۔

کلیم صدیقی نے جمہوریت کو جدید سیاسی کفر کی ایک شکل قرار دیا:

جدید دنیا کا عظیم سیاسی کفر قوم پرستی ہے، جس کے فوراً بعد جمہوریت (عوام کی حاکمیت)، سوشلزم (پرولتاریہ کی آمریت)، سرمایہ داری، اور 'آزاد مرضی' آتے ہیں۔ یہ تمام سیاسی نظام، جو ان خیالات، جذبات یا فلسفوں پر مبنی ہیں، کفر کا حصہ ہیں۔[29]

مندرجہ بالا بحث فکر اسلامی کے بنیادی فلسفے اور اصولوں کو واضح کرتی ہے جس کا بنیادی مقصد مخلوق خدا کی بہتری بھلائی اور ترقی ہے جبکہ دوسرا اہم مقصد انفرادی سطح پر انسانیت کی تربیت اور بھلائی کا حکم ہے۔ جس میں دنیاوی معاملات کے علاوہ عبادات کا بھی ذکر ہے۔

بحیثیت مسلم امہ اسلامی ممالک بالخصوص اس امر کے پابند ہیں کہ وہ اللہ کے دیئے ہوئے نظام کو نافذ کریں اور خلافت الٰہیہ کی تکمیل کے لیے قرآن وسنت سے رہنمائی حاصل کرکے ایک جامع نظام حکومت قائم کریں جس کا بنیادی فلسفہ خلافت ہو جو انسانی فلاح و بہبود اور عدل ومساوات پر قائم ہو۔ مگر عالم اسلام جو اس وقت ۴۹ چھوٹے بڑے ممالک پر مشتمل ہے اور جس کی آبادی دنیا کی کل آبادی کا تقریباً ۲۴ فیصد ہے۔ یہ تمام ممالک بنیادی اسلامی فلسفہ کے وارث ہونے کے باوجود اسے نافذ کرنے میں یکسر ناکام رہے ہیں۔

جنوبی ایشیا میں موجود بیشتر اسلامی ممالک جن میں پاکستان، ایران، بنگلہ دیش، مالدیپ اور افغانستان ہیں ان سب میں مختلف نظام ہائے حکومت رائج ہیں پاکستان اگرچہ اسلام کے نام پر بنا اور قرارداد مقاصد میں اس چیز کا اعادہ کیا گیا تھا کہ اس میں قرآن وسنت کا نظام نافذ کیا جائے گا۔ تاہم اس کے وجود میں آنے کے ۷۵ سال بعد بھی ہم اسلامی قوانین کے نفاذ میں ناکام رہے ہیں۔

29-Kalim Siddiqui, "Primary goals and achievements of the Islamic Revolution in Iran," in Issues in the *Islamic Movement*, 1983–84 (1403–04), ed. Kalim Siddiqui (London: Open Press, 1985), p. 13.

پاکستان مغربی جمہوری نظام کے فلسفہ پر کاربند ہے اگرچہ ہم مکمل طور پر اسے بھی اپنا نہیں سکے اور نظریہ ضرورت کے تحت مغربی جمہوریت کو تغر و تبدل کے ساتھ اپنا ہوئے ہیں اسی طرح دیگر اسلامی ممالک میں کہیں بھی خلافت راشدہ یا خلافت الٰہیہ کا نظام رائج نہیں ہے اور یہ ممالک بھی مغربی جمہوریت کے نظریے کے حامی ہیں یا اس کے قریب تر ہیں۔

اسی طرح عالم اسلام کے دیگر ممالک جن میں بالخصوص دو بڑے ممالک انڈونیشیا اور ملائیشیا ہیں ان میں بھی مغربی جمہوری نظام رائج ہے۔ اس کے علاوہ عالم اسلام کا ایک بڑا حصہ عرب دنیا کے ۲۲ ممالک پر مشتمل ہے جس میں مشرق وسطیٰ شمالی امریکہ کے ممالک شامل ہیں اور مصر، عراق، اردن، کویت، لبنان، سعودیہ عربیہ، شام اور متحدہ عرب امارات شامل ہیں۔ ان ممالک میں سعودی عرب، اردن، متحدہ عرب عمارات میں بادشاہت کا نظام قائم ہے اس بادشاہت کو Counseling Monarchy کہا جاتا ہے۔

اس نظام میں سربراہ حکومت اور سربراہ مملکت ایک ہی شخص ہوتا ہے جسے بادشاہ کہا جاتا ہے وہ تمام تر انتظامی فیصلے خود ہی کرتا ہے تاہم وہ اپنے ساتھ ایک شورائی نظام بھی رکھتا ہے اور قوانین کے اجرا سے پہلے اس شوریٰ سے صلاح مشورہ کرتا ہے لیکن وہ ان کے مشورے کا پابند نہیں ہوتا۔ یہ نظام روایتی مذہبی طرز پر قائم ہوتا ہے۔ لہٰذا اس نظام کا موجودہ جمہوری نظام یا مغربی جمہوریت سے دور دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔

شورائی بادشاہت میں بادشاہ سربراہ حکومت مملکت کے علاوہ مذہبی پیشوا بھی تصور کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ دیگر عرب ممالک جس میں قطر، بحرین، عمان وغیرہ شامل ہیں میں تقریباً یہی نظام رائج ہے جبکہ افریقی، اسلامی ممالک میں انتخابی عمل کے تحت وہاں کے حکمرانوں کا انتخاب تو عوامی سطح پر ہوتا ہے تاہم یہ مغربی جمہوریت سے زیادہ مماثلت نہیں رکھتا۔

مندرجہ بالا بحث سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ بیشتر اسلامی ممالک میں نہ تو قرآن وسنت کا نظام نافذ ہے اور نہ ہی جدید مغربی جمہوریت رائج ہے۔ سوائے پاکستان، انڈونیشیا اور ملائیشیا وغیرہ کے جہاں مغربی جمہوریت کا نظام رائج تو ہے لیکن وہ اپنی اصل روح کے مطابق نہیں کیونکہ ان ممالک میں جمہوری روایات کا فقدان ہے جمہوریت ایک خاص ماحول میں پنپتی ہے جس کے لیے چند بنیادی عوامل درکار ہوتے ہیں جن میں ایک اہم عمل تعلیم کا ہونا بھی ہے جس کا اسلامی ممالک میں فقدان ہے کم شرح خواندگی کی وجہ سے اسلامی ممالک مغربی جمہوریت سے مکمل طور پر استفادہ نہیں کر سکے یہی وجہ ہے کہ عصر حاضر کا جمہوری نظام کسی بھی اسلامی ممالک میں اپنی اصل روح کے ساتھ نافذ نہیں ہو سکا اور نہ ہی کسی اسلامی ملک میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے قوانین پر مبنی نظام حکومت یا خلافت الٰہیہ قائم ہو سکی۔

یہی وجہ ہے کہ مسلمان آج دیگر ترقی یافتہ ممالک سے ہر لحاظ سے پسماندہ ہیں یہ اپنے نظام سیاست میں نہ تو اسلام کے اعلیٰ اقدار پر مبنی فلسفہ کو نافذ کر سکے اور نہ ہی عصر حاضر کے جمہوری تقاضوں کو پورا کر سکے۔

جدید جمہوری نظام اور روایتی اسلامی فکر میں مماثلت اور اختلاف:

اب تک کی جانے والی بحث میں جدید جمہوری نظام اسلامی روایتی فکر اور عالم اسلام میں رائج نظام حکومت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اب ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم ان نظام ہائے حکومت میں مماثلت اور اختلافات کے نکات کو اجاگر کریں تاکہ اس چیز کا جائزہ لیا جاسکے ایسے کون سے اقدامات ہیں جن کے اٹھانے سے اسلامی فکر کو متاثر کیے بغیر مجموعی انسانی فلاح کے لیے کام کیا جاسکتا ہے۔

بالخصوص ایسے ممالک میں جو مغربی جمہوریت کے تحت نظام حکومت قائم کیے ہوئے ہیں۔ بنیادی اسلامی فکر اور مغربی جمہوریت میں چند ایسے نکات پائے جاتے ہیں جو نہ صرف آپس میں مماثلت رکھتے ہیں بلکہ ان کے نفاذ سے مغربی نظام حکومت کو اسلامی سانچے اور روایات میں ڈھالا جاسکتا ہے۔

شورائی نظام:

بنیادی اسلامی فکر میں شوریٰ کا نظام قائم کیا گیا تھا۔ رسول ﷺ نے اپنے دور خلافت میں اکثر فیصلے اپنے معتمد صحابہ کرام سے صلاح ومشورہ کے بعد کیے اور یہی نظام بعد ازاں خلفائے راشدین کے دور میں بھی جاری رہا۔[30] حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں اس شوریٰ کو باقاعدہ ایک شکل دی گئی اور اس کے ممبران کو نامزد کیا گیا جس کا بنیادی مقصد اہم ریاستی معاملات پر خلیفہ کو مشورہ دینا تھا۔ یہ شورائی نظام اگرچہ اپنے اندر معاصر جمہوری نظام کی طرح وسعت نہیں رکھتا تھا بلکہ اسلامی روایتی فکر کے مطابق صاحب رائے صرف اس شخص کو سمجھا جاتا ہے جو قرآن وسنت اور قوانین الٰہیہ سے مکمل آگاہی رکھتا ہو جبکہ جدید جمہوری نظام میں اس طرح کی کوئی قید نہیں ہے اور عوام الناس عام انتخابات کے ذریعے چنے جانے والے اپنے نمائندوں میں کسی خاص قابلیت کی موجودگی کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔

جدید مغربی جمہوریت میں مقننہ کا کردار ایک شورائی کردار ہی ہے۔ اس نظام کے تحت لوگ عام انتخابات میں اپنے نمائندوں کا چناؤ کر کے انھیں مقننہ یا پارلیمنٹ میں بھیجتے ہیں جو ان کے ایما پر قانون سازی کرتے ہیں اور بطور نمائندہ ان کی ترجمانی کرتے ہیں۔ لہٰذا بنیادی طور پر اسلامی شورائی اور مقننہ کا مغربی جمہوری نظام آپس میں بہت مماثلت رکھتے ہیں۔ تاہم شورائی نظام اس قدر وسیع نہیں تھا جتنا کہ جدید جمہوری نظام میں وسعت پائی جاتی ہے کیونکہ جدید جمہوری ریاستیں بہت بڑے بڑے علاقوں پر مشتمل ہیں اور ان کی نمائندگی محدود علاقے یا محدود سطح پر نہیں کی جاسکتی اور نمائندگی کا ایک وسیع نظام قائم کیا

---

[30]– مودودی، سید ابوالاعلی، خلافت وملوکیت، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، 2005ء، ص:87

گیا ہے جس میں ہر شہری اپنے حق رائے دہی استعمال کر سکتا ہے جبکہ اسلامی فکر کے مطابق کچھ مخصوص اور صاحب علم اشخاص ہی یہ کردار ادا کرتے تھے۔

شوریٰ اور جمہوریت کے فیصلے کی بنیاد:

شوریٰ: شوریٰ کی بنیاد ہمیشہ ایک واضح اور دقیق معیار پر ہوتی ہے، جو کسی اور پہلو یا جذبات کو مد نظر رکھے بغیر انصاف پر مبنی ہو۔ مشورے کو قبول کرنے یا مسترد کرنے کا معیار ہمیشہ حق اور مصلحت پر مبنی ہوتا ہے۔

جمہوریت: جمہوریت کی بنیاد اکثریت کی رائے پر ہے، چاہے وہ رائے حقیقت سے کتنی ہی دور کیوں نہ ہو۔ جمہوریت میں اکثریت کے فیصلے پر عمل کیا جاتا ہے، خواہ وہ فیصلہ قوم کی حقیقی مصلحتوں کو نقصان پہنچانے والا ہی کیوں نہ ہو۔

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ عوام کی اکثریت ایسے فیصلے کی حمایت کرتی ہے جس کے نتائج کی گہرائی کو وہ سمجھنے کے قابل نہیں ہوتے۔ اس طرح جمہوری فیصلے بعض اوقات امت کی حقیقی مصلحتوں کو نظر انداز کرتے ہوئے صرف عوامی جذبات کے تابع ہوتے ہیں۔

عدل وانصاف:

اسلام کا بنیادی نقطہ عدل و انصاف پر مبنی معاشرے کا قیام ہے۔ اسلامی حکومت کا ایک بڑا مقصد جو قرآن حکیم میں فرمایا گیا ہے وہ عدل وانصاف کا قیام ہے چنانچہ قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ﴿يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰکَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّکَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾[31]

(اے داؤد! ہم نے تمھیں زمین میں خلیفہ بنایا ہے اس لیے تم لوگوں کے درمیان حق کا فیصلہ کرو اور خواہش کے پیچھے نہ چلو ورنہ وہ تمھیں اللہ کے راستے سے بھٹکا دے گی۔)

مندرجہ بالا آیت واضح کرتی ہے کہ خلافت کے بنیادی مقاصد اور فرائض میں یہ بات شامل ہے کہ وہ اپنے عوام کے ساتھ حق و انصاف کا معاملہ کرے جس میں عدالتوں کا قیام اور انتظامیہ پر نظر رکھنا شامل ہے تاکہ وہ اپنے اختیارات کا ناجائز استعمال کر کے کسی شخص کا حق نہ مار سکے۔ انصاف کے بول بالا کے لیے قرآن حکیم میں ایک اور جگہ ارشاد فرمایا ہے کہ

﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾[32]

(وہ جو لوگ ان احکام کے مطابق فیصلہ نہ کریں جو اللہ نے نازل کیے ہیں تو وہی لوگ ظالم ہیں۔)

---

[31] القرآن، 26:38۔

[32] القرآن، 45:5۔

رسول ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ﴾[33]

(اور اگر تم ان کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف سے فیصلہ کرو بیشک اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔)

قرآنی احکامات اس چیز کی دلیل ہیں کہ فکر اسلامی میں عدل و انصاف کی بہت زیادہ اہمیت ہے اور اسے کسی بھی صورت میں نظر انداز کرنا ممکن نہیں اور ایسا کرنے کی صورت میں اللہ کے سامنے جواب دہ ہونا لازم ہے جبکہ دوسری طرف جدید مغربی جمہوری نظام کی کامیابی کی ایک وجہ عدل و انصاف کا قیام ہے۔

جدید مغربی جمہوری نظام اس بات پر زور دیتا ہے کہ انصاف کے قیام کے بغیر کوئی بھی معاشرہ ترقی نہیں نہیں کر سکتا ایک مشہور روایت ہے کہ دوسری جنگ عظیم کے دوران جب جرمن فضائیہ نے ہر طرف تباہی مچادی تھی برطانوی وزیر اعظم ونسٹن چرچل نے بھاری جانی اور مالی نقصان کا نوٹس لیا اور یہ سوال کیا کہ کیا عدالتیں کام کر رہیں ہیں؟ جب اسے بتایا گیا کہ ججز معمول کے مطابق انصاف کر رہے ہیں تو چرچل نے جواب دیا کہ خدا کا شکر ہے کہ اگر عدالتیں کام کر رہی ہیں تو کچھ بھی غلط نہیں ہوا۔

اس اہم دلیل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مغربی جمہوریت میں بھی انصاف کا حصول اور اس کا نفاذ بہت اہمیت کا حامل ہے لہٰذا یہ جدید مغربی جمہوریت اور اسلامی فکر دونوں ہی اہمیت کے حامل ہیں۔

حق آزادی رائے:

فکر اسلامی میں حق آزادی رائے کی ضمانت دی گئی ہے کوئی بھی شخص کھڑا ہو کر خلیفہ وقت سے سوال کر سکتا ہے حضرت عمر کے دور میں ایک شخص نے مسجد میں کھڑے ہو کر اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سوال کیا جب وہ خطبہ جمعہ دے رہے تھے اس شخص نے کہا کہ یا امیر المؤمنین آپ نے جو کرتہ پہن رکھا ہے وہ مال غنیمت میں تقسیم ہونے والے کپڑے سے کہیں بڑا ہے۔ آپ وضاحت فرمائیں کہ آپ نے مزید کپڑا کہاں سے حاصل کیا؟ اس پر حضرت عمر نے وصاحت فرمائی کہ جو کپڑا میرے بیٹے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے حصے میں آیا انھوں نے مجھے دے دیا لہٰذا میرا کرتا دو لوگوں کے کپڑے سے مل کر بنا ہے۔[34] اس طرح کی کئی اور مثالیں خلفائے راشدین کے دور میں موجود ہیں کہ لوگوں نے خلافت کے عمال کی جائیدادوں اور اخراجات کے بارے میں سوالات کیے۔

---

[33]–القرآن، 42:5۔

[34]–ندوی، شاہ معین الدین، تاریخ اسلام، ج:1، ص:218

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام اظہار آزادی رائے کا مکمل حق دیتا ہے اور اس پر کسی قسم کی قدغن نہیں لگاتا تاہم ایسا کرتے وقت اس چیز کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ اپنے کسی ذاتی مفاد کی خاطر کسی کی شہرت کو داغ دار کرنا مقصود نہ ہو۔ مغربی جمہوریت میں بھی آزادی رائے کا بہت خیال رکھا جاتا ہے اور جدید ذرائع ابلاغ حکمرانوں کی پالیسیوں پر کھل کر تنقید کرتے ہیں اور انھیں بہتر بنانے کے لیے تجاویز بھی پیش کرتے ہیں۔ مغربی جمہوریت اگرچہ اکثریت کی حکومت کی قائل ہے تاہم اقلیت کی رائے کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاتا اور اقلیتی گروپ مقننہ کے اندر ایک اہم رول ادا کرتا ہے باحیثیت اپوزیشن یہ گروہ اس چیز کا اہتمام کرتا ہے کہ حکومت اپنی اکثریت کے بل بوتے پر کسی بھی طبقے کے حقوق کو غصب نہ کر سکے اور کوئی ایسا قانون نہ بنا سکے جو مفاد عامہ کے خلاف ہو مقننہ کے اندر موجود ہر اقلیتی ممبر کو یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ حکومت کے لائے ہوئے قانونی مسودہ پر بھرپور بحث کرے اور اس میں موجود خامیوں کی نشاندہی کرے اور حکومت کو اس کے متبادل رائے دے۔ مقننہ کے علاوہ کئی دوسرے فورم پر بھی اظہار رائے کی آزادی ہے مثلاً نشریاتی ادارے، اخبار رسائل اور دیگر ذرائع ابلاغ کے ذریعے اپنا موقف کھل کر بیان کرنے کی آزادی ہے۔

مساوات وبرابری:

اسلام دین فطرت ہے اور انسانوں کے درمیان کسی تقسیم کی تفریق کا حامی نہیں ہے۔ قرآن کریم کا یہ مسلمہ اصول ہے کہ تمام انسان حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور یہ سب ایک جیسی حیثیت رکھتے ہیں اور ان کے درمیان رنگ و نسل، زبان یا مذہب کی بنیاد پر کسی قسم کی تفریق نہیں کی جاسکتی۔ اسلام میں برتری وفضیلت کی بنیاد صرف تقویٰ اور نیک عمل ہیں۔

قرآن حکیم میں اس حقیقت کو اس طرح بیان فرمایا گیا ہے: ﴿ يَآيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴾[35]

(اے لوگو! ہم نے تمھیں ایک ہی مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہارے خاندان اور قومیں جو بنائی ہیں تاکہ تمھیں آپس میں پہچان ہو، بے شک زیادہ عزت والا تم میں سے اللہ کے نزدیک وہ ہے جو تم میں سے زیادہ پرہیزگار ہے، بے شک اللہ سب کچھ جاننے والا خبردار ہے۔)

اس نکتہ کی مزید وضاحت رسول ﷺ نے اپنے خطبہ حجۃ الوداع میں یوں فرمائی: لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلٰى اَعْجَمِيٍّ وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلٰى عَرَبِيٍّ وَلَا لِاَحْمَرَ عَلٰى اَسْوَدَ وَلَا اَسْوَدَ عَلٰى اَحْمَرَ اِلاَّ بِالتَّقْوٰى[36]

[35] القرآن، 13:49۔

[36] ابو بکر احمد بن الحسین البیہقی، شعب الایمان، ۲:۸۸۔

(کسی عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں اور نہ عجمی کو کسی عربی پر کوئی کوئی فضیلت مگر صرف تقویٰ کے لحاظ سے۔)

قرآن کریم نے اپنی معاشرتی تعلیمات کی بنیاد انسانوں کی شرافت اور مساوات پر رکھی ہے اور پوری انسانیت کے فطری شرف کا یوں اعلان کیا ہے۔ (بے شک ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی۔)

اور فرمایا: ہم نے انسانوں کو اپنی بہت سی مخلوقات پر فضیلت دی۔

برابری کا یہ درس قرآن حکیم کی رو سے ہر مرد اور عورت کے لیے ہے۔ دوسری طرف مغربی جمہوریت اگرچہ اسلامی تعلیمات کا ہم پلہ تو نہیں ہو سکتی تاہم اس میں برابری اور مساوات کا درس دیا جاتا ہے۔

تمام شہری بلا تفریق مذہب اور زبان تمام قسم کے حقوق کے حامل ہوتے ہیں۔ انھیں مغربی جمہوری معاشروں میں ترقی کے برابر مواقع میسر ہوتے ہیں تاہم اس کے لیے بنیادی صلاحیتوں کا ہونا ضروری ہے جو مغربی جمہوریت میں عورت اور مرد کو بلا تفریق حق نمائندگی حاصل ہے اور وہ برابری کی سطح پر کسی بھی ادارے میں اپنا کردار ادا کر سکتا ہے۔

مغربی جمہوریت انسانوں کے درمیان مساوات کو جمہوریت کا ایک اہم جزو تصور کرتی ہے جس کے بغیر جمہوریت کی ترقی ممکن نہیں۔

بنیادی انسانی حقوق:

بنیادی انسانی حقوق یعنی (Fundamental Rights) کسی بھی مہذب اور جمہوری معاشرے کے دساتیر میں سب سے زیادہ قابل فخر باب سمجھا جاتا ہے۔ جو جمہوری نظام میں انسان کے بنیادی حقوق کو تحفظ فراہم کرتا ہے۔

انسانی بنیادی حقوق پر اسلام کا ایک روشن باب حجۃ الوداع کے موقع پر رسول ﷺ کا وہ خطبہ ہے جو ایک جامع اور معتبر دستاویز ہے۔ آپ ﷺ نے اپنے خطبے میں جو بنیادی انسانی حقوق عطا فرمائے وہ اتنے واضح اور جامع ہیں کہ Magna Carta وغیرہ اس کی گرد کو بھی نہیں پا سکتے۔

اسلام ہر شخص کی جان و مال اور عزت آبرو کی ضمانت دیتا ہے۔ اسلام کا تصور بنیادی طور پر بنی نوع انسان کے وقار مساوات اور احترام پر مبنی ہے قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو دیگر مخلوقات پر برتری عطا کی ہے۔

﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِى الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا﴾[37]

[37]۔ القرآن، 70:17۔

(اور بے شک ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی اور ہم نے ان کو خشکی اور تری میں مختلف سواریوں پر سوار کیا اور ہم نے انھیں پاکیزہ چیزوں سے زرق عطا کیا اور ہم نے انھیں اکثر مخلوقات پر جنھیں ہم نے پیدا کیا فضیلت دے کر برتر بنا دیا۔)

اسلام نے احترام آدمیت اور برابری کی بنیاد ڈالنے کے بعد اگلے مرحلے میں عالم انسانیت کو مذہبی، اخلاقی، معاشی، معاشرتی اور سیاسی شعبہ جات میں بے شمار حقوق عطا کیے اسلام کا یہ انسانی حقوق کا تصور آفاقی ہے اور زمان و مکان کی قید سے آزاد ہے کیونکہ اسلام کا انسانی حقوق کا منشور اللہ کا عطا کردہ ہے جو ہم تک رسول اللہ ﷺ کے ذریعے سے پہنچا۔

قرآن کے فلسفہ بنیادی حقوق میں انسان کے بنیادی حق میں حق عبادت بھی شامل ہے۔ اسلام انسانیت کو بہت سے انفرادی اور اجتماعی حقوق عطا کرتا ہے جو بلا رنگ و نسل اور مذہب کے ہیں۔ انسانی بنیادی حقوق میں سب سے اہم حق اسلام نے تکریم انسانیت کا دیا ہے جبکہ مغربی جمہوریت میں بھی ایسے ہی انسانی بنیادی حقوق کے تحفظ کی ضمانت دی گئی ہے سب سے پہلے بنیادی انسانی حقوق کا ذکر Magna Carta میں ہے یہ دستاویز ۴۲ صفحات پر مشتمل ہے لیکن اس میں صرف ایک جگہ بنیادی انسانی حقوق کا ذکر ہے تاہم مزید وضاحت کے ساتھ بنیادی انسانی حقوق امریکہ کے اعلان آزادی میں شامل کیے گئے ان حقوق کا آغاز حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس جملے میں شروع ہوتا ہے:

"مُذْ کم تعبدتم الناس وقد ولدتهم أمهاتهم أحراراً" (کب سے تم لوگوں کی عبادت کرتے آرہے ہو جبکہ ان کی ماؤں نے انہیں آزاد پیدا کیا تھا؟)

مغربی جمہوریت میں آج کل انسانی بنیادی حقوق کا بہت چرچا ہے اور ان حقوق کے حصول کے لیے بہت سے فورم قائم ہو چکے ہیں جو اس چیز کا اہتمام کرتے ہیں کہ کسی بھی طبقہ ہائے زندگی کے لوگوں کے حقوق کو پامال نہ کیا جاسکے۔ پامالی کی صورت میں یہ فورم آواز احتجاج بلند کرتے ہیں مغربی ذرائع ابلاغ مستقل بنیادوں پر انسانی حقوق کے تصور کو اجاگر کرتے رہتے ہیں۔

مغربی جمہوریتوں کے دساتیر میں انسانی بنیادی حقوق کو اہم حیثیت دی گئی ہے ان حقوق میں اظہار رائے کی آزادی، حق روزگار کی آزادی جان و مال کے تحفظ اور مذہبی عقائد پر کاربند رہنے کی آزادی شامل ہے اس کے علاوہ انفرادی اور اجتماعی سطح پر بہت سے انسانی حقوق کی ضمانت دی گئی ہے۔

جدید جمہوری نظام اور روایتی اسلامی فکر میں پائے جانے والے اختلافات:

اقتدار اعلیٰ:

اسلام کا آفاقی نظام اقتدار اعلیٰ کی ضمانت دیتا ہے۔ جس کے تحت اقتدار اعلیٰ کا اصل مالک اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور انسان زمین پر اس کا نائب اور خلیفہ ہے اور اسلام کی رو سے حکومت الٰہیہ صرف اور صرف قرآنی تعلیمات اور رسول پاک ﷺ کے فرمودات کے زیر انتظام ہی چلائی جاسکتی ہے اس میں انسانی پسند اور ناپسند کی کوئی اہمیت نہیں بلکہ اہمیت صرف احکامات خداوندی کی ہے۔ قرآن کریم میں دوٹوک الفاظ میں فرمایا گیا:

﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ﴾[38] (حاکمیت اللہ کے سوا کسی کی نہیں ہے۔)

اس سلسلے میں مزید فرمایا:

﴿وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾[39] (آسمانوں اور زمین کی سلطنت اللہ ہی کو حاصل ہے۔)

ان قرآنی احکامات میں یہ واضح پیغام دیا گیا ہے کہ انسان صرف اور صرف بطور خلیفہ احکامات الٰہیہ کو نافذ کرنے کا پابند ہے تاہم اگر کسی معاملہ پر قرآن وسنت کی واضح ہدایات موجود نہ ہوں تو صاحب الرائے اور صاحب علم حضرات مل کر اس پر اجماع کرلیں۔[40] جس کا مطلب ہے اجتماعی سوچ کے مطابق کیے جانے والے فیصلے اسلامی طرز حکومت میں اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کا اقرار ہی وہ بنیادی تصور ہے جو تصور سیاست کو سیکولر جمہوریت سے بالکل الگ کر دیتی ہے۔ سیکولر جمہوریت میں عوامی نمائندگان پر مشتمل مقننہ اس قدر بااختیار ہوتی ہے کہ وہ جو چاہے قانون بناسکتی ہے۔

اگر کسی ملک کے آئین نے پارلیمنٹ کے قانون سازی کے اختیارات پر کوئی پابندی لگا رکھی ہو تو اس پابندی کو بھی دستور میں ترمیم کر کے ختم کیا جاسکتا ہے جبکہ اسلامی حکومت کا ناقابل تبدیل دستور قرآن وسنت ہے جس کو کسی بھی صورت میں تبدیل یا منسوخ نہیں کیا جاسکتا۔

اسلامی نظام حکومت میں خلیفہ ایک عام انسان تصور ہوتا ہے جو اللہ کے احکامات کے نفاذ کا پابند ہوتا ہے جب کہ مغربی اور سیکولر جمہوریت میں صدر یا وزیر اعظم ایک بااختیار حکمران تصور کیا جاتا ہے جو اگرچہ دستور کے تابع تو ہوتا ہے لیکن اس کے باوجود اسے لاتعداد اختیارات حاصل ہوتے ہیں جن کو استعمال کر کے وہ انسانی حقوق کی پامالی بھی کرنے کا موجب بن سکتا ہے جیسا کہ دور حاضر میں مغربی ممالک کی پشت پناہی ہی وجہ سے یہودی ریاست فلسطینی مسلمانوں پر ظلم کے پہاڑ توڑ رہی ہے یہ لامحدود اختیارات روکنے کے لیے کوئی ایسا نظام مغربی اور سیکولر جمہوریت میں موجود نہیں جو ان کو ظلم سے روک سکے۔

---

38 ـ القرآن، 57:6۔

39 ـ القرآن، 159:3۔

40 ـ انصاری، مولانا حامد، اسلام کا نظام حکومت، الفیصل ناشران، لاہور، 1999ء، ص:159

مذہبی سیکولر نظام کسی حد تک فسطائیت کا شکار ہے اور ظلم و جبر پر قائم ہے جبکہ اسلامی نظام ریاست و حکومت تابع فرمان خداوندی ہے اور اس میں من مانے فیصلے کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اسلامی احکامات کے مطابق جنگ میں بچوں عورتوں اور بوڑھوں اور چراگاہوں کو نقصان پہنچانے کی ہرگز اجازت نہیں ہے جبکہ دوسری طرف وہ معصوم بچوں کے قتل کو بھی قابل گرفت نہیں سمجھتے یہی وجہ ہے کہ بنیادی انسانی حقوق کا جو درس اسلام نے دیا وہ کسی بھی دوسرے مذہب میں موجود نہیں اور اقتدار اعلیٰ کا جو فلسفہ قرآن حکیم نے دیا اس سے برتر دنیا کا کوئی دوسرا دستور نہیں ہے۔

برابری اور مساوات کا معیار:

قرآن حکیم بلا تفریق رنگ ونسل اور زبان کے سب کو برابری کا درجہ دیتا ہے لیکن برابری کے لیے کچھ اصول اور پیمانے بھی طے کیے گئے ہیں قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

﴿قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ؕ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ﴾[41]

(بتاؤ تو علم والے اور بے علم کیا برابر ہو سکتے ہیں؟ یقیناً نصیحت وہی حاصل کرتے ہیں جو عقل مند ہیں۔)

اسلام صاحب علم اور بے علم کے درمیان فرق صرف اس درجے تک رکھتا ہے کہ ان کی صلاحیتیں علمی اور عقلی بنیاد پر استوار ہوں بے علم اور جاہل شخص بہتر فیصلے کرنے اور قرآن وسنت کی تعلیمات کو سمجھنے کے قابل نہیں ہوتا لہٰذا ایسے شخص کی رائے کو صاحب تصور نہیں کیا جاتا خلیفہ کے چناؤ کے لیے اس چیز کا اہتمام کیا جاتا ہے کہ وہ صاحب علم ہو اور امور مملکت پر دسترس رکھتا ہو اور اس کے چناؤ کے لیے بنیادی شوریٰ کے ممبران بھی صاحب علم و عقل ہوں تاکہ بہتر فیصلہ کیا جاسکے اور یہی اصول خلیفہ کے چناؤ کے لیے اسلامی ریاست میں اپنایا جاتا ہے جبکہ مغربی اور سیکولر جمہوریت میں ان اوصاف کا خیال نہیں رکھا جاتا۔ معاصر جمہوریت میں ہر وہ شخص جو بالغ ہو حق رائے دہی کا استعمال کر سکتا ہے اس میں اس کے عقلی یا تعلیمی معیار کی جانچ پڑتال ہرگز نہیں کی جاتی اس نظام میں ایک پڑھے لکھے اور ایک ان پڑھ کا ووٹ برابر تصور کیا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ کہا جاتا ہے کہ مغربی معاصر جمہوریت میں افراد کو گنا جاتا ہے جبکہ اسلامی جمہوریت میں افراد کو تولا جاتا ہے یعنی انسان کی قابلیت ہی اس کے معیار کی ضمانت ہے لہٰذا اسلام اور معاصر جمہوریت میں بنیادی چناؤ میں قابلیت کی شرط کا فرق اہم حیثیت رکھتا ہے۔

اسلام اکثریت کی بنیاد پر غیر عقلی فصیلوں کو مسترد کرتا ہے جبکہ معاصر جمہوریت میں ایسا کوئی نظام موجود نہیں کہ رائے دہندہ کی عقلی صلاحیتوں کو پرکھا جاسکے وہ محض ایک ووٹ کی بنیاد پر وہی حیثیت حاصل کر لیتا ہے جو ایک عالم کو علم کی بنیاد پر عالم حاصل ہوتی ہے۔

[41]- القرآن، 9:39۔

اسلامی مجلس شوریٰ اہل علم اور اپنے شعبے میں مہارت رکھنے والے افراد پر مشتمل ہوتی ہے اور وہ قرآنی احکامات کے تابع قانون سازی کرتے ہیں جبکہ معاصر جمہوریت میں قانون سازی کی بنیاد محض حق رائے دہی ہے جس کا استعمال کر کے من مانے قوانین بنائے جاسکتے ہیں اور اس کے لیے کوئی ممانعت نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ ایسے من مانے قوانین بعض دفعہ لوگوں کے بنیادی حقوق کی خلاف ورزی تصور کیے جاتے ہیں۔(42)

اسلامی ریاست اور جمہوریت:

اسلامی ریاست مغربی جمہوریت کے اصولوں کے قریب ہے لیکن وہ اس کی نقل نہیں ہے۔ اسلامی ریاست میں حکمران کا انتخاب عوام کے ذریعے ہونا ضروری ہے، اور حکمران عوام کے منتخب نمائندوں کے سامنے جوابدہ ہوتا ہے، جن کے پاس حکمران کو معزول کرنے کا حق ہوتا ہے۔ اسلامی ریاست اس بات میں مغربی جمہوریت سے متفق ہے، لیکن اس میں یہ اضافی بات ہے کہ ہر فرد کو حکمران کو نصیحت کرنے، اچھائی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کا حق حاصل ہوتا ہے، جب کہ مغربی جمہوریت میں کوئی ایسی اقدار نہیں ہیں جو اسے محدود کریں یا اس کے عمل کو قابو میں رکھیں، اس لیے مغربی جمہوریت میں عوام کی مرضی کے نام پر برائیوں کو قانونی حیثیت دی جاسکتی ہے اور حرام کو حلال کیا جاسکتا ہے۔

نتائج:

اس تحقیق کے نتائج مندرجہ ذیل ہیں:

1. جمہوریت ایک ایسے نظام حکومت کا نام ہے جس میں ریاست کی عام آبادی ریاست کی طاقت ہوتی ہے، اور ریاستی فیصلے کی قوت عوام کے دائرہ اختیار میں ہوتی ہے، البتہ حکمرانوں کا انتخاب مسابقتی طریقے سے ہوتا ہے، اور تمام شہری اس میں آزادی کے ساتھ شریک ہوتے ہیں۔
2. جدید جمہوری تصور میں عوام کے لیے حکومت اور عوام کے ذریعے حکومت در اصل جدید جمہوری تصور شمار کیا جاتا ہے۔
3. جدید جمہوری تصورات کا بنیادی اصول یہ ہے کہ سیاسی، معاشی اور حق رائے کی آزادی اور خود مختاری عام عوام کا بنیادی حق ہو گا۔ البتہ جدید جمہوریت طرز حکمرانی اور نظام حکومت کا نام ہے۔

42_ مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، ادارۂ معارف القرآن، کراچی، 1396ھ، ج:1، ص:182۔

4. اسلام میں سیاست اور حکمرانی کا مفہوم ایک دوسرے سے جڑا ہوا ہے، اور اسلامی سیاست کا مقصد لوگوں کے معاملات کو منظم کرنا اور ان کو تمام بنیادی حقوق فراہم کرنا اور ان کے مسائل قرآن وسنت کی روشنی میں حل کرنا ہے۔
5. اسلامی تصور حکومت اور جدید جمہوریت میں بنیادی فرق "حاکمیت الہیہ" کا ہے۔
6. اگرچہ جدید جمہوریت عوامی حق رائے کے نام سے شروع ہوئی لیکن اب جمہوریت سوشلزم اور سرمایہ دارانہ نظام کے گرد گھومتی ہے۔
7. اسلامی سیاست شوری کے تصور پر عمل پیرا ہوتی ہے جس میں فیصلہ کا معیار حق اور مصلحت کو شمار کیا جاتا ہے، جب کہ جدید جمہوریت میں فیصلے کا معیار اکثریت کو قرار دیا جاتا ہے۔
8. اسلامی سیاست میں اصل حکمرانی اللہ تعالی کی ہوتی ہے البتہ انسان خلیفہ یانائب ہونے کی حیثیت سے احکامات الہیہ کو مملکت خداداد میں نافذ کرنے کا پابند ہوتا ہے۔
9. اسلامی سیاست میں اللہ ورسول کی اطاعت اور ان کے بتلائے ہوئے قوانین کی بالادستی کو قبول کرنے کا نام ہے۔ انتظامیہ اور مقننہ ان قوانین کی تابع ہے۔
10. اسلامی سیاست میں اگر خلیفہ وقت حدود اللہ کی پاسداری نہ کرے تو عام عوام کو حاکم وقت یا حکومت وقت سے اختلاف کرنے کا حق حاصل ہے۔